© rasailojaraid.com

رسول اللہؐ کی معاشی زندگی

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندویؒ

بعثت نبوی سے پہلے کی تاریخ اول تو ملتی ہی کتنی ہے اور جو تھوڑی بہت مل جاتی ہے، اس کی حیثیت بھی نامربوط افسانوں اور کہانیوں سے بلند نہیں۔

اور تو اور خود حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے متعلق آج ہمیں کیا معلوم ہے۔ اتنا بھی تو کوئی نہیں جانتا کہ حضرت نے کتنی مدت عالمِ شہادت میں بسر کی۔ حالانکہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑی تعداد ان ہی کی ہے جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ تحقیق و دریافت کے جو ذرائع انہیں حاصل ہیں کسی اور قوم کو کہاں حاصل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ عیسیٰ مسیح پر انجیل مقدس جس زبان میں نازل ہوئی تھی اس کی اصل عبارت کیا تھی۔ دس سطریں بھی تو کہیں محفوظ نہیں!

یہ حال تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہماری معلومات کا ہے۔ حالانکہ ان کا عہد حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام پیغمبروں کے زمانوں سے نسبتاً قریب تر ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہمیں قرآن مجید کے بیان سے زیادہ کیا ملنے کی امید ہوسکتی ہے؟

یوں سمجھئے کہ امتداد زمانہ کی گہری سیاہ چادریں تاریخ کے ان زمانوں کو اس طرح ہماری نظروں اور ہمارے کانوں سے چھپائے ہوئے ہیں کہ قیاس و وہم کی جولانیاں تک کام نہیں آتیں۔ سب کچھ پردہ خفا میں ہے۔

اس کے برخلاف پیغمبر اسلام کی زندگی، ان کے کارنامے، ان کی صبح و شام، ان کے غزوات، ان کی تبلیغی سرگرمیاں، بلکہ ان کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ، اس وقت کے سیاسی و معاشی حالات، قبائل کے باہمی تعلقات، وہ پورا ماحول، صحابہ، تابعین اور مورخین کی مساعی سے آج دنیا کے سامنے ہے۔ نہ کوئی خفا ہے اور نہ کوئی اشتباہ۔ قرآن شریف اپنے اصلی الفاظ میں موجود ہے اور ہر روز لاکھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ آپ نے کس ماحول میں اور کیسی زندگی بسر کی، پوری کی پوری ہمارے سامنے موجود ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ سو دو سو سال پہلے کی کسی بڑی سے بڑی ہستی صاحبِ دلق و سجادہ، صاحبِ سیف و قلم، یا صاحبِ دیہیم و لشکر کے متعلق ہمیں ادھوری اور نامکمل معلومات سے زیادہ کچھ میسر نہیں آتا۔ لیکن آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے رفیق اعلیٰ سے ملنے والے رسول اللہ کے متعلق وہ تمام باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو اتباع کے لیے اور خود ہماری سیرت و کردار کی تعمیر و تزیین کے لیے ضروری ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیوں دوسروں کے متعلق یہ سب کچھ محفوظ نہیں۔

ہمیں سو، پچاس سال پہلے وفات پانے والے کسی فاتح، کسی مصلح اور کسی ولی کے متعلق بھی تو اتنی باتیں نہیں ملتی ہیں۔ کیا یہ اہمیت صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو حاصل ہوتی ہے؟ ہونا تو یہی چاہیے۔ انبیائے کے علاوہ اوروں کی زندگیاں چاہے بڑے سے بڑے ولی کامل اور خادمِ قوم کی زندگی ہو، خود ہی غلطیوں، غفلتوں اور واماندگیوں سے خالی نہیں ہوتیں۔ انسانیت اس کو کیوں محفوظ رکھے اور کس طرح مکمل نمونہ بنا کر پیش کرے۔ ہاں! دوسرے انبیاء کرام کی سیرتیں شاید محفوظ رہ جاتیں۔ اگر خدا نے یہ فیصلہ نہ کر دیا ہوتا کہ اسلام ناسخ الادیان ہے اور رسول اللہ آخری نبی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ بڑے خاص انداز میں کہا کرتے ہیں۔

''آنے کو تو پیغمبر اور ہادی کہاں نہیں آئے۔ ہر نسل میں آئے، ہر ملک میں آئے اور ہر زمانے میں آئے۔ اللہ کا سلام ہو ان پر لیکن یہ سب جانے کو آئے، ایک مقررہ وقت اور معین زمانے کے لیے آئے ان کے احکام اور ان کے نمونے وقتی نمونے تھے۔ جانے کو آئے اور چلے گئے۔ قیامت تک رہنے کو ایک ہی دین آیا اور آیا تو آ گیا۔ اب اسے کون مٹائے۔ وہ آنے والا تو آخری آنے والا تھا۔ وہ چلا جائے اور اس کا نمونہ مٹ جائے تو قیامت ہی آ ئے۔ اب تو کوئی آنے والا ہی نہیں۔ نمونہ تو یہی رہے گا۔ اللہ نے ازل ہی میں یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ آخری نمونہ ہے اور قیامت تک یہی نمونہ رہے گا''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتنی سچی بات ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اس دور الحاد وزندقہ میں بھی قرآن مجید یاد کرتے ہی جاتے ہیں۔ تقریباً ستر کروڑ کی مسلم آبادی میں ایک سرسری اندازہ کے مطابق ہر ایک ہزار میں ایک حافظِ قرآن یعنی تقریباً سات لاکھ حافظ قرآن کریم اب بھی موجود ہیں۔ اور ایسا تو کوئی بالغ مسلمان موجود ہی نہیں جسے کچھ نہ کچھ قرآن یاد نہ ہو۔ یہی حال سیرت نبوی اور سنت رسول اللہ کی یاد کا ہے۔ وعظ کی محفلوں میں اور بزرگوں کی مجالس میں سیرت نبوی کا بکثرت بیان ہونے کے علاوہ دنیا کی ہر قابل ذکر زبان میں ہر سال ہزاروں چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ مضامین لکھے جاتے ہیں۔ رسالوں اور اخباروں کے خاص نمبر نکلتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ہر سال پیدائش مسیح کی یاد میں کرسمس کا تہوار منایا جائے اور اخباروں کے خاص نمبر بھی نکلیں۔ لیکن سارے رسالے میں کہیں سیرت مسیح کا عنوان ہی نہ ہو۔ شرابوں کے اشتہار اور نیم برہنہ تصویروں سے کرسمس کا یہ خاص نمبر بھرا رہے! ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا عام اور سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ لوگ دنیا داری اور غفلت میں ہیں۔ دین کی طرف توجہ کون کرتا ہے۔ لیکن یہ جواب کچھ بہت زیادہ صحیح جواب نہیں۔ لوگ متوجہ ہیں اور شدت کے ساتھ متوجہ ہیں۔ عیسائی مذہب کی تبلیغ پر دنیا بھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے اور سالانہ کتنی خطیر رقمیں ان مساعی پر صرف ہوتی ہیں۔ ذرا اندازہ تو لگایئے پھر کون کہہ سکتا ہے کہ عیسائی دنیا دار دین کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ رہا عملی زندگی میں عیسائیت کا تعلیم سے دوری تو یہ صرف عیسائیوں کا عیب نہیں۔ مسلمان جو سب سے زیادہ سیرت نبوی کی اشاعت کرتے ہیں۔ وہ کب اور کس قدر سنتِ رسولؐ کے مطابق عمل کر رہے ہیں؟ بے عملی میں تو مسلمان عیسائیوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی رسول اللہؐ کی سیرت بیان ہوتی ہی رہتی ہے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہی قیامت تک کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور انسانیت کے لیے صرف یہی ایک نمونہ فوز وفلاح ہے۔ اس لیے خدائے کائنات اپنے بندوں میں اس کی اشاعت کراتا ہے۔ اور اس کی یاد کو مٹنے نہیں دیتا۔ اور اس دن تک یہی ہوتا رہے گا جبکہ نظامِ شمسی میں اختلال پیدا ہو کر دنیا کی عمر ختم ہونے کو آئے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دولت مندی

عربوں کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ لوگ غیر متمدن، مفلس، جھگڑالو اور بڑے ہی عیاش طبع لوگ تھے۔ یہ غلط نہیں ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ تمدن سے واقف نہ تھے۔ چونکہ ان کی زندگی کسی منظم و باقاعدہ حکومت کے ماتحت بسر نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے جتھ داری اور عددی قوت بڑی فیصلہ کن چیز تھی اور اس کے لیے یہ بہت خرچ کرتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ سود خواری و نفع اندوزی کے ذریعہ اچھی خاصی دولت مندی کے مالک تھے۔ انہوں نے قیصر کے دربار دیکھے تھے۔ عیش و عشرت کے ان تمام طور طریقوں سے واقف تھے جو ان دو متمدن ترین حکومتوں میں رائج تھے۔ اس لیے ان کے امراء جنگجوئی کے ساتھ ساتھ عیش کوش اور خاصے نفاست پسند ہو چکے تھے۔ اور اس زمانے کی کوئی تکلف پسندی ایسی نہ تھی جو امرائے طائف اور یہودیانِ مدینہ میں موجود نہ تھی۔ آج بھی اگر مدینہ منورہ کے جنوب میں دولت مند یہودی ابن ابی الحقیق کے محلات کا کھنڈر دیکھیے تو حیرت ہوتی ہے۔ کیا عالیشان محل تھا پانی کے نل کس طرح سارے محل میں دوڑائے گئے تھے۔ کس اہتمام کے ساتھ حماموں اور نشست گاہوں کو تعمیر کیا گیا تھے۔

ولادت باسعادت

یہ تھے وہ حالات جن میں مکہ کے سردارِ کعبہ کے متولی عبدالمطلب کے گھر میں، واقعہ فیل سے ۹۳ یا ۹۴ دن کے بعد ۴۵ ء سیزر اور تقریباً ۵۷۰ ء میں ہجرت سے ۵۳ سال قبل حضور محمد ﷺ پیدا ہوئے۔

پہلی کمائی

دنیا میں بہت ہی کم بچے ہوں گے جنہیں اپنے لیے روٹی کمانے کی فکر صرف نو دس سال کی عمر ہی میں پڑ گئی ہو۔ خصوصاً وہ بچے جو کسی خوش حال سردار کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں۔ لیکن "یتیموں کے ماویٰ غریبوں کے ملجا" محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ آپ صرف نو سال کی عمر میں اپنے لیے اور اپنے مربی کے لیے روزی کمائیں۔ والد کا انتقال تو پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی تو والدہ بھی وفات پا گئیں ۔ ۹ سال کی عمر ہوئی تو شفیق دادا بھی مر گئے ۔ اب آپ کی نگرانی شفیق لیکن غریب و مفلوک الحال چچا ابو طالب کے سپرد ہوئی ۔ غریب ابو طالب عیالدار آدمی تھے اور آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ نہ تھا ۔ نہ کوئی جائیداد تھی اور نہ کوئی دوکان ، گزر بسر کا ذریعہ تجارت ہو سکتی تھی ۔ سو اس کے لیے سرمایہ کہاں سے لاتے ۔ دوسروں کا مال عربوں کے میلوں میں لے جاتے تھے اور مزدوری پاتے تھے ۔ یہ مزدوری اتنی نہ ہوتی تھی کہ سال بھر خوش حالی کے ساتھ بسر ہو جاتی ۔ اکثر گھر میں فقر و فاقہ کی حالت رہتی ۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نو سال ہی کی عمر سے دوسروں کی بکریاں مزدوری پر چرانے کا کام شروع کر دیا تھا ۔ ابو طالب کی دو چار بکریاں بھی ساتھ لے جاتے ۔ اس طرح آئندہ زندگی میں ''المساکین لی'' کہنے والے نے ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے اپنی زندگی مسکینوں کے ساتھ صحرا میں بسر کی ۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تھا ، تو فاطر السموت والارض کا عرفان انہیں حاصل ہو گیا تھا ۔ دین ابراہیمی کے اس آخری اور کامل ترین پیغمبر ﷺ کو ان مناظر سے عرفان عطا کیا جاتا تھا ۔

حضور ﷺ نے دنیائے انسانیت کو ایک نئی منصفانہ راہ پر کس طرح لگایا ۔ اور اللہ کی زمین کو برائیوں سے پاک کرنے کے لیے کیا کیا کارنامے انجام دیئے ۔ یہ بار بار پڑھیے ، سنیئے اور اتباع کیجیے دوسرے مضامین میں ان کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے ۔ اور آپ آج تک ہزاروں بار سن اور پڑھ چکے ہیں ۔ اس وقت ہمارے اس مختصر سے مضمون کا موضوع صرف معاشی سیرت نبوی ہے اس لیے ہم اس پر بحث کریں گے ۔

محنت کشی

رسول اللہ ﷺ اپنی تریسٹھ سالہ مشغول اور تابناک زندگی میں کس وقت کیا ذرائع معاش رکھتے تھے اور اس کا اثر آپ کے متبعین پر کیا پڑا ۔ اس کا مطالعہ کرنے کے لیے ہم اس تریسٹھ سالہ زندگی کو حسب ذیل چار زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں :

- ولادت باسعادت سے ۹ سال کی عمر تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ ۱۰سال سے ۲۵سال کی عمر تک

۳۔ ۲۶سال سے ۵۳سال کی عمر تک

۴۔ ۵۴سال سے ۶۳سال کی عمر تک

وراثت

ولادت سے ۹سال کی عمر تک رسول اللہ ﷺ کا بار کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب پر ہے۔ عبدالمطلب اگرچہ کوئی بڑے دولت مند آدمی نہ تھے پھر بھی ایک خوش حال سردار تھے اور اتنا مال مویشی بھی رکھتے تھے کہ اپنی ایک منت پوری کرنے کے لیے انہوں نے اپنے فرزند عبداللہ (حضورؐ کے والد) پر سے سو اونٹ صدقہ میں دیئے تھے۔ بڑے کثیر العیال آدمی تھے اور موسم حج میں حاجیوں کی خدمت پر بھی بہت کچھ خرچ کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ کی ولادت سے کوئی تین ماہ قبل آپ کے والد کا شام کے تجارتی سفر سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب انتقال ہو چکا تھا۔ ابھی نوخیز جوان تھے۔ بعض روایتوں کے بموجب صرف انیس سال عمر تھی اور بعض کے بموجب صرف اٹھارہ سال۔ اس لیے قیاس یہ چاہتا ہے کہ عبداللہ نے ابھی نہ اپنا گھر بنایا تھا اور نہ دولت کمائی تھی۔ تاریخوں میں کسی مال و دولت کا بطور وراثت رسول اللہ کو ملنا ثابت نہیں۔ ایک باندی بی بی ام ایمن کا ذکر آتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو ابتدا میں دودھ بھی پلایا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ باندی عبداللہ سے وراثت میں آپ کو ملی تھی۔

آپؐ نے چھ سال بھی پورے نہ کیے تھے کہ مدینہ سے واپسی پر مقام ابواء میں آپ کی والدہ بی بی آمنہؓ کا انتقال ہو گیا۔ تو یہی بی بی ام ایمن آپ کو لے کر عبدالمطلب کی خدمت میں آئی تھیں۔ غالباً گھر والوں میں سے کوئی اور اس سفر میں بی بی آمنہ کے ساتھ نہ تھا۔

بہر حال کسی قابلِ ذکر جائیداد یا زر نقد کا وراثتاً آپؐ کو ملنا کسی روایت میں نہیں ملتا اور نہ کہیں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عبدالمطلب کے مکان کے علاوہ آپ کے والد عبداللہ کا کوئی گھر الگ بھی تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے والد سے پانچ اونٹ، دو چار اونٹنیاں اور کچھ بکریاں بھی وراثت میں ملی تھیں لیکن ہماری تحقیق و تفحص میں یہ روایتیں بھی ناقابلِ وثوق ہیں اور اگر بالفرض مان بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا جائے تو یہ اتنی کم قیمت وراثت تھی کہ ۹ سال کی عمر تک آپ کی پرورش کے لیے کافی نہیں ہوسکتی تھی۔

البتہ روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ ایک خوشحال خاندان کی بیٹی تھیں لیکن عربوں کے رواج کے مطابق غالباً ننہالی دولت سے حضورؐ کو کوئی وراثت نہیں ملی۔

گلہ بانی

اس طرح جب رسول اللہؐ کی نگرانی کی خدمت ابو طالب کے حصہ میں آئی تو یقیناً آپؐ کے ساتھ کوئی موروثی دولت نہیں آئی۔ اور آپؐ نے ابو طالب کے گھر کی غربت سے متاثر ہو کر مزدوری پر بکریاں چرانے کا کام شروع کر دیا ہوگا۔ آپؐ جب دائی حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے تو آپ نے حلیمہ کے بچوں کو بکریاں چراتے دیکھا تھا اور آپؐ نے بھی اس کام میں ان کا ساتھ دیا۔ اس لیے مکہ میں آپؐ نے یہی کام اپنے لیے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ میں ان دنوں اور کام بھی کیا ہوتا تھا۔ کوئی صنعت گاہ یا کارخانے تو موجود نہ تھے جہاں آپؐ کام کرتے۔ نہ کان کنی اور نہ کاشتکاری کا کام ہوتا تھا کہ آپؐ ان کاموں میں لگ جاتے۔ اس لیے مجبوراً یہی ایک صورت معاش کی ہوسکتی تھی۔ چنانچہ یہی صورت آپؐ نے اختیار کر لی۔

تجارت

رسول اللہؐ کی معاشی زندگی کا تیسرا دور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اب حضورؐ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے گھر میں رہنے لگے تھے۔ یہ دور ۲۷ سال تک قائم رہا۔ اس میں دس سال تک آپ خود بازار میں تجارتی لین دین کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس زمانے میں آپ نے غالباً تین سفر کیے۔ ایک یمن تک دوسرا الفوذ (نجد) تک اور تیسرا نجران تک۔ یہ تینوں تجارتی تھے۔ آپ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا مال اور قریش کے دوسرے تاجران کا مال لے کر سفر کرتے اور صاحب المال سے اپنی اجرت حاصل کر لیتے ان سفروں کے علاوہ موسم حج میں اچھا خاصا کاروبار ہو جاتا تھا۔ باقی دنوں میں مکہ کے بازار میں بھی کچھ نہ کچھ تھوک فروشی ہوا کرتی تھی آپ اس میں حصہ لیتے تھے۔

عرب میں سکے تین قسم کے رائج تھے۔ ساسانی بادشاہوں کے سکے، قیصر روم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درہم و دنانیر اور مقامی رئیسوں کے ڈھالے ہوئے طلائی سکے، زیادہ تر کام اصول مقایضہ (بارٹر سسٹم، تبادلہ اشیاء بالا اشیاء) پر ہوتا تھا۔ عرب میں جو سکے اس وقت تھے۔ وہ قیمت فلزی پر قائم تھے۔ فیس ویلو یا قیمت مہر پر سکہ ڈھالنے کا رواج نہ تھا۔ اس لیے اہلِ دولت یہی سونے کے دینار، چاندی اور تانبے کے درہم جمع کرتے تھے۔ آپ کی مالی حالت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر نے اپنے گھر سے بہت سے دینار جو ایک دیوار میں محفوظ تھے، ساتھ لیے تھے۔ مگر رسول اللہ کے پاس ساتھ لے جانے کو کوئی قابل ذکر سرمایہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے یہ دینار مدینہ میں مسجد نبوی کی زمین خریدنے اور مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں دوسرے کاموں میں خرچ ہوئے۔ ان کے متعلق روایتیں موجود ہیں۔ لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپؐ نے اپنے پاس سے کوئی رقم نکال کر مدینہ کے ابتدائی دنوں میں خرچ کی ہو۔

خدیجہؓ کا گھر

اللہ کے سچے رسول ﷺ اور انسانیت کے اس محسن اعظم نے جب کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی تو نہ کوئی سرمایہ آپ کے پاس تھا، نہ زادِ سفر، نہ کسی جائیداد کے مالک تھے۔ مکہ میں بی بی خدیجہؓ کا ایک چھوٹا سا مکان ضرور تھا جس میں آپ رہتے تھے اور آپ کے چلے جانے کے بعد جب حضرت فاطمہ بھی چلی گئیں تو اپنی حقیقی بہن بی بی زینبؓ کے حوالے کر گئیں۔ بی بی زینبؓ اور ان کے شوہر اس میں رہتے تھے۔ جنگ بدر میں ان کے شوہر گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے تو انہیں آپ نے اس شرط پر رہائی عطا فرمائی کہ وہ جا کر زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے وعدے کے مطابق اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ زینب کو مدینہ بھیج دیا۔ راستہ میں ایک کافر مبار نے نیزہ مار کر انہیں سواری سے گرا دیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ بیمار رہتی تھیں اور مدینہ میں ۸ھ میں وفات پائی۔

ہجرت کے بعد

ہجرت کے بعد تیرہ سال میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہت ہی مشغول زندگی تھی۔ مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کی ایک شہری مملکت کی صورت میں بنیاد پڑ رہی تھی۔ مکہ میں تو قرآن مجید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صرف وہ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ جن میں توحید، رسالت، معاملات، بیع وشریٰ اور انسان کے انفرادی اخلاق کی درستگی کے متعلق احکام وہدایات ہیں۔ لیکن مدینہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان میں اجتماعی معاملات، قوانین حکومت، جنگ وصلح کے اصول اور بین الاقوامی تعلقات کے متعلق ہدایات ہیں۔ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کوئی سربراہ حکومت نہ تھے۔ مدینہ میں آپ ایک مملکت کے سربراہ بھی تھے، سپہ سالار بھی، عادل منصف (Judge) بھی تھے اور ناظمِ مملکت بھی۔ اور اللہ کے رسول تو تھے ہی اس لیے آپ کے لیے یہ کس طرح ممکن تھا کہ معاشی کاموں کے لیے وقت نکالتے۔ اگر حکومت کی کوئی باقاعدہ آمدنی ہوتی تو باقاعدہ تنخواہ مقرر ہوتی۔ لیکن ابتداء میں چونکہ مدینہ کے بیت المال میں آمدنی ہی بہت کم ہوتی تھی اور وہ بھی مفادِ امت پر صرف ہو جاتی تھی۔ اس لیے آپؐ اور آپؐ کے اہل وعیال بڑی تنگی اور فقر وفاقہ کے ساتھ گزارہ کرتے تھے کئی کئی وقت چولہا جلنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ کبھی ایک پیالہ دودھ پر سارے گھر کا گزارہ ہوتا اور کبھی چند کھجوروں پر، اور اکثر تو تین تین چار چار وقتوں کا فاقہ ہی رہتا لیکن یہ حالت صرف آپ ہی کی نہ تھی بلکہ اور دوسرے بہت سے صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔

سادگی

رسول اللہ ﷺ نے ابتداء ہی سے اپنی زندگی بہت سادہ رکھی تھی۔ ان دنوں میں بھی جبکہ مکہ میں نبوت سے پہلے آپ کی مالی حالت نسبتاً اچھی تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں تکلف اور عیش پسندی کو داخل نہیں ہونے دیا تھا اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے کے بعد بھی کہ مکہ میں آپ کی سی آمدنی رکھنے والے اور طائف کے امراء نفیس کھانوں، قیمتی کپڑوں اور شاندار مکانوں کے عادی ہیں۔ آپ نے ہمیشہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ ایک وقت میں دو سالن بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اپنا کام خود کرتے۔ موٹے اور بے تکلف صاف ستھرے کپڑے پہنتے اور اس طرح جو رقم بچ جاتی اس سے غریبوں، بیواؤں اور مسکینوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے آپ کے صحابہ پر فقر وفاقہ کی یہ زندگی کچھ زیادہ بار نہیں گزرتی۔ وہ سب اسی رنگ میں رنگ گئے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اختیار کیا تھا۔ اس زندگی کا اثر تھا کہ صحابہ کو دنیاوی دولت وحشمت اور تکلف وتعیش کی زندگی سے نفرت پیدا ہوگئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ وہ بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں بھی کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، نہ دربار کے ریشمی پردے، قیمتی قالین، اور منقش فرش ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتے اور نہ دولت و جاہ کی ہوس ان کے پاک قلوب تک راہ پاتی تھی۔

۶ھ تک جبکہ خیبر اور تبوک کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں یہی صورت حال باقی رہی۔ اگر چہ مدینہ کے دولت مند یہودی قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر جو سرسبز زمینیں چھوڑ کر گئے تھے ان میں سے حسب قاعدہ 1/5 اراضی بیت المال کے قبضہ میں آ چکی تھیں۔ لیکن ان کا خراج اتنا کم ہوتا تھا کہ ضروریات کے لیے پوری طرح کافی نہیں ہوتا تھا۔ اور اب اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ بکثرت مہمان آتے تھے۔ عرب قبائل کے وفود کا سلسلہ بھی غزوہ احزاب کے بعد سے بڑھ گیا تھا۔ اصحابِ صفہ کا خرچ بھی تھا اس لیے بڑی عسرت سے بسر کرتے تھے۔

۶ھ کے آخری ایام یا ۷ھ کے اوائل میں جب خیبر فتح ہوا تو اہلِ خیبر نے بھی آ کر خود نصف پیداوار بطور خراج ادا کرنے پر صلح کر لی۔ خراج مقاسمہ یعنی مالگزاری میں پیداوار کا ایک حصہ لینے کا رواج عرب قبائل میں رائج تھا اور عرب ہی کیا ساری دنیا میں رائج تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ تک رسول اللہ ﷺ کی معاشی زندگی میں کوئی تغیر نظر نہیں آتا۔ حالانکہ اس کے بعد سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکومت عطا فرمائی۔ ۷، ۸، ۹ اور ۱۰ ہجری میں پے در پے فتوحات ہوئیں۔ اور مختلف قبائل مسلمان ہو کر زکوٰۃ ذمی رعایا بن کر خراج ادا کرنے لگے۔ مکہ، طائف، یمن، حضر موت سے ایلہ تک کا تقریباً دس لاکھ مربع میل رقبہ مدینہ منورہ کی اس چھوٹی سی مملکت میں داخل ہو گیا۔ اور حضور ﷺ کے سامنے ہی خراج میں اتنے درہم و دینار آئے کہ بیت المال مدینہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی کے علاوہ مسجدِ نبوی کا صحن اور دالان بھر گئے لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپ نے اپنے یا اپنے اہل و عیال کے لیے اس کثیر دولت میں سے کوئی حصہ حاصل کیا ہو۔

حضرت بی بی عائشہؓ سے بلاذری نے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اپنے لیے مکہ میں ایک مکان تو بنوا لیں۔ جس میں دھوپ سے محفوظ رہ کر آپ ٹھہر سکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔

معاشی اصلاحات

رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارک کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں نہ کوئی ایسی جائیداد پیدا کی جو آمدنی کا ذریعہ ہوتی اور نہ کبھی نذرانوں پر زندگی بسر کی۔ وراثت میں بھی آپ کو کوئی جائیداد نہیں ملی۔ کسی سے زرعی یا غیر زرعی ایسی جائیداد کا ہبہ بھی قبول نہیں فرمایا جو آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوتی۔ بلکہ ساری عمر اپنی محنت و مشقت سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی دولت مندی سے آپ کو یہ موقع ضرور مل گیا کہ آپ کسی دوسرے کے مالِ تجارت کو لے کر سفر کرنے اور اجرت حاصل کرنے کی بجائے خود ام المومنین کے مال کو لے کر جاتے اگرچہ زمانے میں بھی آپؐ نے دوسروں کا مال مقررہ اجرت پر فروخت کیا ہے۔ لیکن یہ عموماً اسی وقت ہوا ہے جبکہ آپؐ ام المومنین کا مال تجارت لے کر کہیں تجارتی سفر کو روانہ ہوتے تھے۔

ہدایات

چونکہ اہل مکہ کا پیشہ تجارت تھا اس لیے جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو گلہ بانی اور تجارت ہی سے واسطہ پڑا۔ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں تجارتی دیانتداری کے بہت سے احکام ملتے ہیں۔ آپؐ نے قرآن مجید کے نزول سے پہلے اور نزولِ قرآن کے بعد کئی خطرناک صورتوں کی اصلاح فرمائی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اجیر و مستاجر کے معاملات

عرب میں عام طور پر دو قسم کی مستاجری کا رواج تھا۔ پہلی قسم یہ کہ مقررہ وقت کی مقررہ اجرت۔ دوسری مقررہ کام کی مقررہ اجرت مستقل طور پر کسی کو اجیر مقرر کر لینے کا طریقہ صنعتوں کے فقدان کی وجہ سے ان میں نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں جو ہدایات فرمائیں اور مدینہ میں با اختیار حکمران کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت اختیار کر لینے کے بعد جس سختی کے ساتھ ان ہدایات پر عمل کرایا۔ اس کے ذکر سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ بعض مشہور احکام یہ ہیں:

اجیر کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

خدا کی لعنت ہے اس مستاجر پر جو اجیر کا کوئی حق مار لے۔

کسی کو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جو تم خود نہ کر سکو۔

کام میں اجیر کا ہاتھ بٹاؤ۔ اس سے نرمی کا سلوک کرو۔ اور اس کی قوت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالو۔

اجیر کو اپنی طرح کا آدمی سمجھو۔ اس کے اعزا اور اس کی عافیت کا خیال رکھو۔

یہ یاد رکھو کہ اجیر اجیر ہے اور تم مستاجر۔ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل امر نہیں کہ تم اجیر ہو جاؤ اور وہ مستاجر۔

مومن کی شناخت یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اس کی پیشانی محنت کے پسینہ سے تر ہو۔

اللہ کی رحمت ہو اس بندہ پر جو اپنی روزی اپنی محنت سے کماتا ہے۔

غریبوں کے حق کو پہچانو۔ یہ تمہارا ہی کام کر رہے ہیں۔

خدا اس بندہ کو کبھی نہیں بخشے گا جس نے کسی اجیر کا حق مار لیا ہو۔

اسی طرح آپ نے اجیروں کو فرض شناسی، دیانت داری اور تندہی کی تعلیم دی۔ اور جب با اختیار ہوئے تو حکماً ان احکام کو جاری فرمایا۔ مستاجرین کے خلاف شکایتیں سن کر اجیر کا حق دلوایا۔

تجارتی معاملات میں عرب کے تمام غیر منصفانہ لین دین کو باطل قرار دیا۔ کم تولنے پر سزائیں دیں۔ ایفائے عہد کی تاکید فرمائی اور تجارتی لین دین کے لیے ایک منصفانہ اصول مقرر فرمایا کہ بوقت معاملہ زر ثمن اور شے مبیع دونوں کا متعین اور غیر مشتبہ ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں میں کم از کم ایک موجود ہو۔

عربوں میں رواج تھا کہ معمولی و متعارف طریقہ بیع کے علاوہ تقریباً نو یا دس طرح کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات کیا کرتے تھے جو سب کے سب فریب کے امکانات رکھتے ہیں۔ مثلاً:

المزابنہ درخت میں پھل دیکھ کر مقدار متعین کر دی جائے اور اس کو فروخت کر دیا جائے۔

الملامسہ قیمت وصول کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ جس مال کو مشتری چھوئے وہ اس کا ہو جائے گا۔

المرابحہ ادھار اور سود دے کر یہ شرط کہ فلاں وقت تک اگر ادا نہ ہو تو ثمن میں یا شئے مبیع میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس قسم کے تمام معاملات کو ممنوع قرار دیا۔ ان کے خلاف ہدایتیں کیں اور سختی کے ساتھ انہیں بند کرا دیا۔

اسی طرح پانی میں مچھلی، ہوا میں چڑیا کی بیع عام طور پر رائج تھی اسے ممنوع قرار دیا۔ خیار رویت اور خیار عیب مشتری کو عطا کیا۔ قمار کی تمام صورتوں کو جرم قرار دیا۔ اس سے ہمیشہ منع فرماتے رہتے اور سب سے عظیم الشان اصلاح معاملات کے سلسلہ میں یہ فرمائی کہ سرمایہ کو صرف امتداد زمانہ کے ساتھ بڑھنے سے روک دیا اور یہ حقیقت بنی نوع انسان پر واضح فرما دی کہ اصل دائر ہو یا اصل قائم ہو۔ کسی میں نمو ذاتی نہیں ہے اس لیے ہر وہ نفع جو وقت کے مقابلے میں حاصل کیا جائے گا ظلم ہو گا۔ اس کا تدارک ہونا ضروری ہے۔

اسی مسئلہ پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ سوچیے اور دیکھیے کہ یہ ایک ہی معاشی اصلاح ایسی ہے کہ ظلم و تعدی اور استحصال ناجائز کے اکثر دروازوں کو بند کر دیتی ہے۔

سرمایہ کی ایک شکل تو وہ ہے جو قائم ہے۔ مثلاً زمین، تالاب، کان وغیرہ۔ انہیں اصل قائم کہا جاتا ہے۔ تالاب یا کان وغیرہ زمین ہی کے جزو ہیں۔ اس لیے لفظ زمین اصل قائم کو ظاہر کرتا ہے اب آپ غور فرمالیں کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم اپنی ضروریات جن اشیاء سے پوری کرتے ہیں وہ سب کی سب بالواسطہ یا بلاواسطہ زمین کی پیداوار ہیں؟

سرمایہ کی دوسری شکل وہ ہے جو تبدل و تغیر کے ساتھ ہمارے لیے کارآمد ہوتی ہے اور مختلف ہاتھوں میں پھرتی رہتی ہے۔ مثلاً زر نقد، مال تجارت اور کرایہ پر دی ہوئی عمارتیں وغیرہ۔ اسے تقویم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے مروجہ سکوں میں بدل کر انہیں اصل دائر کہتے ہیں۔

اب فرض کر لیجیے کہ ایک لاکھ روپے بصورت نوٹ، سکہ یا زر خالص تجوری بند کر کے بحفاظت تمام رکھ دیا جائے۔ یا ایک سو ایکڑ زمین کا ایک قطعہ پوری طرح محفوظ کر لیا گیا پھر ایک سال یا بارہ سال کے بعد تجوری کھولی گئی یا زمین کا معاینہ کیا گیا تو آپ اصل دائر یا اصل قائم کسی میں اضافہ پا سکتے ہیں؟ ایک لاکھ کی اس خطیر رقم میں کوئی ایک اکنّی بھی اضافہ ہو سکے گی؟ اور کیا ایک سو ایکڑ کی اس وسیع اراضی سے ایک چھٹانک بھی غلہ مل سکے گا؟

اصل قائم ہو یا اصل دائر۔ کسی قسم کے اصل میں حقیقتاً کوئی نمو ذاتی موجود نہیں ہے۔ یہ محض اولاد آدم کی محنت ہے جو اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے اور نا قابل انکار حقیقت تو بمقابلہ امتداد زمانہ نفع کا استحصال ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

سود یا ربوا اسی اضافہ کو کہتے ہیں جو صرف بمقابلہ مدت زمانی حاصل کیا جائے یہ درحقیقت محنت کش کو اس کے محنت کے پھل سے محروم کر کے استحصال بالجبر کی ناپاک ترین صورت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے اس کو چوری اور زنا، جیسے سنگین جرائم سے بھی زیادہ سنگین جرم قرار دیا۔ اور ﴿فاذنوا بحرب من الله و رسوله﴾ کا اعلان کر کے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

آپ جتنا زیادہ اس معاملہ ربوٰ پر غور کریں گے۔ اتنا ہی یہ حقیقت روشن ہوتی جائے گی کہ یہ معاشی بے چینی اور بدحالی کا بنیادی سبب ہے بالکل اسی طرح جس طرح اصل قائم پر قبضہ نے حقیقتاً محنت کش کسانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی محنت کا نصف نتیجہ ان زمینداروں کے حوالے کر دیں جن کا غلہ کی پیدائش میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ خشکی و غرقی یا دوسرے آفات ارضی و سماوی سے اگر پیداوار حاصل نہ ہو تو کسان کے ساتھ بیج اور بیلوں کے نقصان میں بھی حصہ دار نہیں ہوتے۔ اسی بے انصافی اور ظلم کا نتیجہ ہے کہ ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس.

(ماخوذ از "شعاعِ سیرت")

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com